

اسلام

اور

بنیادی انسانی حقوق

ڈاکٹر خالد علوی



مندرجات

پیش لفظ

۲	☆	دور حاضر میں انسانی حقوق کے شعور کا ارتقاء
۶	☆	مقام انسانی کا تعین
۸	☆	شرف انسانیت
۱۱	☆	حقوق کا اسلامی تصور
۱۳	☆	حقوق کی اہمیت
۱۴	☆	حقوق کی درجہ بندی
۱۷	☆	انسانی حقوق
۱۸	☆	وحدت نسل انسانی
۱۹	☆	جان و مال اور ناموس کا تحفظ
۲۰	☆	شخصی آزادی کا حق
۲۲	☆	مذہب و مسلک کی آزادی
۲۲	☆	مساوات کا حق
۲۳	☆	قانونی مساوات
۲۴	☆	معاشرتی مساوات
۲۵	☆	معاشی مساوات
۲۷	☆	ذاتی ملکیت کا حق
۲۸	☆	آزادی اجتماع کا حق
۲۹	☆	ریاست کے معاملات میں شرکت کا حق
۳۲	☆	کتب حوالہ

پیش لفظ

مغربی دنیا نے جن مسائل کو تہذیبی علامت قرار دیا ہے ان میں انسان کے بنیادی حقوق کا مسئلہ بھی ہے۔ اس مسئلہ کو بنیاد بنا کر تیسری دنیا کے ممالک کو ہدف تنقید بنایا جاتا ہے۔ مسلمان ممالک خصوصی نشانہ ہیں۔ کہا یہ جاتا ہے کہ ترقی یافتہ ممالک نے فائلیں بنا رکھی ہیں اور حسب ضرورت انہیں نکال کر انسانی حقوق کی خلاف ورزی کا جرم عائد کر دیا جاتا ہے۔ انسانی حقوق کے بارے میں یہ امتیازی رویہ بلاشبہ مذموم ہے حقیقت یہ ہے کہ انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے مرتکب کسی نہ کسی حد تک سب ممالک ہیں۔ دور حاضر کے انسانی رویے اب بھی داخلی عوامل کے تحت متعین ہو رہے ہیں۔ نام نہاد تہذیبی تربیت اور ثقافتی لطافت باریک پردہ ہے جو بہت جلد چاک ہو جاتا ہے اور اندر سے ایک خونخوار انسان برآمد ہوتا ہے۔ اس وقت مغربی معاشروں میں مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک ہو رہا ہے وہ اس تہذیب کی سطحی شائستگی کا بھرم کھولنے کے لیے کافی ہے۔

اسلام نے انسانی حقوق کے سلسلے میں شاندار ہدایات دی ہیں لیکن مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ وہ ان زریں تعلیمات سے دوسروں کا آگاہ کرنے اور خود اس پر عمل پیرا ہونے میں کوتاہی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ مسلمان علماء نے عصر حاضر کے تقاضوں کے پیش نظر اس موضوع پر گرانقدر تالیفات مرتب کی ہیں۔ دعوتِ اکیڈمی کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس نے عصری مسائل پر علماء کی مفید کتابیں شائع کی ہیں۔ اس وقت ہم ڈاکٹر خالد علوی کی ایک مختصر تحریر پیش کر رہے ہیں جو بنیادی انسانی حقوق کے سلسلے میں ایک مفید کوشش ہے۔ مختصر جامع، واضح اور سہل اسلوب میں اسلامی تعلیمات کو دور حاضر کے پس منظر میں پیش کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ یہ تحریر قارئین کے لیے مفید ہوگی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے دین کی خدمت کی توفیق بخشے۔ آمین۔

انچارج شعبہ مطبوعات

احکام عیبت

بسم الله الرحمن الرحيم

دور حاضر میں انسانی حقوق کی بات ایک فیشن کی صورت اختیار کر گئی ہے اور اس کا سبب وہ ظلم و جور ہے جو انسان نے روا رکھا ہے۔ اسی لیے انسان کے بارے میں خود انسانوں کے درمیان بار بار یہ سوال پیدا ہوتا رہا ہے کہ اس کے بنیادی حقوق کیا ہیں؟ بقول سید ابوالاعلیٰ مودودی، "قانون فطرت نے ایک حیوان کو دوسرے حیوان کے لیے اگر غذا بنایا ہے تو وہ صرف غذا کی حد تک ہی اس پر دست درازی کرتا ہے، کوئی درندہ ایسا نہیں ہے جو غذائی ضروریات کے بغیر بلا وجہ جانوروں کو ہلاک کرتا ہو..... یہ انسان ہی ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی ہدایات سے بے نیاز ہو کر اسی کی دی ہوئی قوتوں سے اپنی ہی جنس پر ظلم ڈھانے شروع کر دیے۔ ایک اندازہ کے مطابق انسان کے اس روئے ارض پر آنے سے آج تک تمام حیوانات نے اتنے انسانوں کی جان نہیں لی جتنی انسانوں نے صرف دوسری جنگ عظیم میں انسان کی جان لی ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ انسان کو دوسرے انسانوں کے بنیادی حقوق کی کوئی تمیز نہیں ہے۔ خالق انسان ہی نے اس سلسلہ میں انسان کی رہبری کی اور پیغمبروں کی وساطت سے انسانی حقوق کی واقفیت بہم پہنچائی ہے۔" (۱)

انسان اجتماعی شعور رکھنے والی مخلوق ہے اور اجتماعیت کا پہلا تقاضا حقوق و فرائض کا تعین اور اس کے مطابق عمل ہے جس کے بغیر کوئی اجتماعیت 'خواہ سادہ ہو یا ریاست کی صورت میں منظم' قطعاً نہیں چل سکتی۔ باہمی زندگی میں 'کچھ لو اور کچھ دو' کا اصول ضروری ہے ورنہ معاشرہ انتشار کا

۱۔ ابوالاعلیٰ مودودی، 'اسلامی ریاست' ص ۵۵۰۔

شکار ہو جائے گا۔ ابن سینا نے ”الشفاء“ میں لکھا ہے کہ انسان اجتماعی مزاج رکھتا ہے۔ اجتماعی زندگی سے روابط پیدا ہوتے ہیں اور ان روابط کی تنظیم کے لیے انسان قوانین کا محتاج ہے۔ یہ قوانین حقوق و فرائض کا بھی تعین کرتے ہیں۔ حقوق کی تفصیلی بحث میں جانے سے قبل یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حق کے مفہوم کا تعین کر لیا جائے۔ حقوق حق کی جمع ہے اور اس کے اصلی معنی مطابقت اور موافقت کے ہیں۔ علمائے لغت (۲) نے حق کے کئی معنی بیان کیے ہیں لیکن عام طور پر چار معانی میں یہ استعمال ہوتا ہے جن کا ذکر کرنا طوالت کا باعث ہوگا۔

حق کے عام معنی لازم کے (۳) ہیں۔ واجب اور جائز کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور اس سے مراد وہ ذمہ داری بھی ہوتی ہے جو کسی اور نسبت سے ایک آدمی پر عائد ہوتی ہے۔ حقوق و فرائض کا گہرا تعلق ہے اگر ایک کے حقوق ہیں تو وہی دوسرے کے فرائض بن جاتے ہیں۔ حق کے تصور سے متعلق متعدد نظریے پیش کیے جا چکے ہیں۔ مثلاً قدرتی، قانونی، تاریخی، کائناتی اور فلاحی نظریے وغیرہ۔ حقوق کے ان تمام نظریات میں زندگی اور سوسائٹی کے کسی ایک پہلو کا ذکر ملتا ہے مثلاً فرد ریاست اور اخلاق وغیرہ۔ ان میں تجربہ و مشاہدہ کو کسی نہ کسی طرح غالب حیثیت دی گئی ہے۔ اس طرح وہ توازن ممکن نہیں رہتا جو معاشرے کے اطمینان و سکون کے لیے ضروری ہے۔

دور حاضر میں انسانی حقوق کے شعور کا ارتقاء

حقوق انسانی کے اسلامی تصور پر گفتگو کرنے سے قبل دور حاضر میں حقوق کے شعور کی ارتقائی تاریخ کا سرسری جائزہ لے لیں تو مناسب ہوگا تاکہ انسانی کوششوں کے نقص اور الہامی ہدایت کے اکمال کی حقیقت ظاہر و ثابت ہو جائے۔

۱۔ بنیادی حقوق کی جدوجہد کا اصل آغاز گیارہویں صدی میں برطانیہ میں ہوا

جہاں ۱۰۳۷ء میں شاہ کانریڈ ثانی (Conrad II) نے ایک منشور جاری کر کے پارلیمنٹ کے اختیارات متعین کیے اس منشور کے بعد پارلیمنٹ نے اپنے اختیارات میں توسیع کی کوششیں شروع کیں۔ ۱۱۸۸ء میں شاہ الفانسو نهم (Alfonso ix) سے جس بے جا اصول تسلیم کرایا گیا۔ انگلستان میں شہنشاہ جان (King John) نے ۱۲۱۵ء میں جو میگنا کارٹا جاری کیا تھا وہ دراصل اس کے امراء (Barons) کے دباؤ کا نتیجہ تھا۔ اس میں زیادہ تر امراء ہی کا مفاد تھا۔ اس کی رو سے تحقیق جرم رو بروئے مجلس قضا، جس بیجا کے خلاف داد رسی اور ٹیکس لگانے کے اختیارات انگلستان کے باشندوں کو حاصل تھے۔ اس کی حیثیت ایک معاہدہ کی سی تھی جس میں امراء کے مفادات کا تحفظ کیا گیا تھا۔ ہنری مارش (Henry Marsh) کے بقول: بڑے بڑے جاگیرداروں کے ایک منشور کے سوا اس کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ (۴)

۱۳۵۰ء میں برطانوی پارلیمنٹ نے میگنا کارٹا کی توثیق کر کے قانونی چارہ جوئی (Due process of law) کا قانون منظور کیا جس کے تحت کسی شخص کو عدالتی کارروائی کے بغیر زمین سے بے دخل یا قید نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اسے سزائے موت بھی نہیں دی جاسکتی تھی۔ چودھویں صدی سے سولہویں صدی تک آمریت اور بادشاہت پوری طرح حاوی رہی اور انسانی حقوق کی جدوجہد میں کوئی نمایاں کامیابی نہیں ہوئی، سترہویں صدی میں پھر انسانی حقوق کی طرف توجہ دی گئی۔ ۱۶۷۹ء میں برطانوی پارلیمنٹ نے جس بے جا قانون منظور کیا جس سے تمام شہریوں کو تحفظ فراہم ہوا اور ۱۶۸۹ء نے برطانوی پارلیمنٹ نے قانون حقوق (Bill of Rights) منظور کیا۔ یہ برطانیہ کی دستوری تاریخ کی اہم ترین دستاویز ہے۔ اسی دور میں برطانوی اور فرانسیسی مصنفین نے نظریہ عمرانی کی وضاحتوں میں کتابیں لکھیں۔ John Locks (Treaties on Civil Government) نے لکھی اور فرد کے حقوق پر مدلل بحث کی۔

مشہور فرانسیسی مفکر روسو (Rousseau) نے معاہدہ عمرانی کے زیر عنوان کتاب

لکھی جس میں ہابس اور لاک کے تصور معاہدہ عمرانی کا جائزہ لیا۔

۲۔ انقلاب فرانس کے بعد ”منشور حقوق انسانی“ (Declaration of the

Rights of Man) ۱۷۸۹ء میں نمودار ہوا جس میں قوم کی حاکمیت، آزادی، مساوات،
ملکیت کے فطری حق، ووٹ کا حق، قانون سازی کا اختیار، ٹیکس عائد کرنے کے اختیارات، تحقیق
جرم رو بروئے مجلس قضا (Trial by Jury) وغیرہ کا اثبات کیا گیا۔ انقلاب فرانس کے بعد
مغرب میں انسانی حقوق کے حوالے سے عوام میں اور حکومتی سطح پر مسلسل کاوشیں ہوتی رہیں۔ اس
میں امریکی اعلان آزادی کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ اس اعلان آزادی کا مسودہ تھامس جیفرسن
(Thomas Jefferson) کا تیار شدہ ہے جو انگریز مفکرین بالخصوص جان لاک (John
Locke) کے نظریات پر مبنی تھا۔ ۱۷۸۹ء میں فرانس کی قومی اسمبلی نے انسانی حقوق کا منشور
(Declaration of the rights of man) منظور کیا۔

۱۷۹۲ء میں تھامس پین (Thomas Paine) نے ایک کتابچہ بعنوان (The

Rights of man) شائع کیا جو ایک ماخذ کے طور پر استعمال ہوتا رہا۔ امریکہ میں انسانی
حقوق کے حوالے سے قانون سازی ہوتی رہی اور ان کے تحفظ کا اہتمام بھی ہوتا رہا۔ پہلی جنگ
عظیم کے بعد جرمنی اور متعدد یورپی ممالک میں بنیادی حقوق کو دستاویز میں شامل کیا گیا۔

حقوق کی ساری بحث کا دار و مدار معاہدہ عمرانی پر ہے۔ یہ ایک موہوم تصور ہے جو فرد اور
معاشرے کے تعلق کو واضح کرنے کے لیے سیاسی مفکرین نے پیش کیا (۵)۔ معاہدہ عمرانی پر لکھنے
والوں نے واضح طور پر کہا کہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ریاستیں اور حکومتیں ارادتا کسی معاہدہ کے
ذریعہ سے وجود میں نہیں آئیں بلکہ فطری طور پر ایک خاندان یا قبیلہ کی طرف ابتدائی گروہ بندیوں
سے بتدریج قائم ہوئی ہیں۔ (۶) پروفیسر الیاس کے بقول ”انسان کی پوری سیاسی تاریخ میں ہمیں

۵۔ The Social Contract /4

۶۔ Protection of Human Rights Under the law /3

کوئی ایک واقعہ یا ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی جس میں ریاست کی تشکیل کے لیے معاہدہ عمرانی کو استعمال کیا گیا ہو۔ (۷) یہی وجہ ہے کہ مغربی حکومتوں نے جب چاہا انسانی حقوق کو نظر انداز کر کے ظالمانہ کارروائیاں جاری رکھیں۔ دور حاضر میں امریکہ نے بنیادی انسانی حقوق کو کمزور قوموں کے خلاف بطور ہتھیار استعمال کیا، انہیں مسلسل دباؤ میں رکھ کر سیاسی و معاشی فوائد حاصل کیے اور جب چاہا اپنے آپ کو بالاتر سمجھ کر ان حقوق کی بے دریغ پامالی کی۔

۱۹۴۰ء میں ایچ جی ویلز (H-G, Wells) نے اپنی کتاب New World

Order میں انسانی حقوق کے ایک منشور کو جاری کرنے کی تجویز پیش کی اور ۱۹۴۱ء میں منشور اوقیانوس (Atlantic charter) پر دستخط ہوئے جس کا مقصد بقول چرچل ”انسانی حقوق کی علمبرداری کے ساتھ جنگ کا خاتمہ تھا“۔ ۱۹۴۶ء میں فرانس نے ۱۷۸۹ء کے منشور انسانی حقوق کو اپنے دستور میں شامل کیا اور اسی سال جاپان نے بھی انسانی حقوق کو دستور میں شامل کیا۔ ۱۹۴۷ء میں اٹلی نے اپنے دستور میں بنیادی انسانی حقوق کو شامل کیا۔

۳۔ جمہوری فلسفہ کے تحت یو۔ این۔ او نے بہت سے مثبت اور تحفظاتی حقوق کے متعلق قراردادیں پاس کیں اور بالآخر ”عالمی منشور حقوق انسانی“ منظر عام پر آیا۔ جس میں وہ تمام حقوق سمودئے گئے جو مختلف یورپی ممالک کے دساتیر میں تھے۔

۴۔ دسمبر ۱۹۴۶ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ایک قرارداد پاس کی جس کی رو سے نسل کشی کو بین الاقوامی قانون کے خلاف ایک جرم قرار دیا گیا۔

۵۔ دسمبر ۱۹۴۸ء میں نسل کشی کے انسداد اور سزا دہی کے لیے ایک قرارداد پاس کی گئی ۱۲ جنوری ۱۹۵۱ء سے اس کا نفاذ ہوا۔ عالمی منشور کی قرارداد کے حق میں ۴۸ ووٹ آئے جبکہ روس سمیت ۸ ممالک نے رائے شماری میں حصہ نہ لیا۔ دسمبر ۱۹۴۸ء کے منظور شدہ ”عالمی منشور حقوق انسانی“ کے دباچہ میں یہ الفاظ مذکور ہیں:

”بنیادی انسانی حقوق میں ‘فرد انسانی کی عزت و اہمیت میں ‘مردوں اور عورتوں کے مساویانہ حقوق میں اعتقاد کو موثق بنانے کے لیے۔“

متذکرہ بالا پورے منشور کے کسی جز سے کسی بھی قوم کے نمائندوں نے اختلاف نہ کیا کیونکہ یہ عام اصولوں کا اعلان تھا معاہدہ نہ تھا۔ یہ واضح طور پر بتا دیا گیا تھا کہ یہ ایک معیار ہے جس تک پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ علاوہ ازیں اس مختصر سے بیان سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ اول تو مغرب میں انسانی حقوق کے تصور کی تاریخ ہی صرف چند صدیوں پر محیط ہے۔ دوم اس کے پیچھے کوئی سند نہیں ہے۔ اس کے برعکس اسلام نے حقوق انسانی کا جو منشور قرآن میں دیا اور جس کا خلاصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر نشر فرمایا وہ اس سے قدیم بھی ہے اور بہتر بھی۔ اور ان حقوق کو عملاً قائم کرنے کی بے مثل نظیریں بھی حضور اکرمؐ اور خلفائے راشدینؓ نے چھوڑی ہیں۔ اسلام نے جو حقوق انسان کو عطا کیے ہیں ان کا جائزہ لینے سے قبل یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس انسان کے مقام کے بارے میں بھی اسلام کا تصور جان لیں جسے وہ ارفع حقوق دیے گئے ہیں اور جن کا ابھی ہم ذکر کرنے والے ہیں۔

مقام انسانی کا تعین

انسان کو ابتدا سے ہی اپنے متعلق ایک بڑی غلط فہمی رہی ہے جو اب تک برقرار ہے۔ کبھی وہ افراط پر اترتا ہے تو اپنے آپ کو دنیا کی سب سے زیادہ بلند ہستی سمجھ لیتا ہے۔ تکبر اور سرکشی کی ہوا اس کے دماغ میں بھر جاتی ہے اور وہ ”مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً“ (۸) (ہم سے بڑا طاقتور کون؟) اور ”أَنَا رَبُّكُمْ إِلَّا غُلَى“ (۹) (تمہارا سب سے بڑا مالک میں ہوں) کی صدا بلند کرتا ہے اور ظلم و جور اور شر و فساد کا مجسمہ بن جاتا ہے۔ اور کبھی یہی انسان تفریط کی جانب مائل ہوتا ہے تو

اپنے آپ کو دنیا کی سب سے زیادہ ذلیل ہستی سمجھ لیتا ہے۔ درخت، پتھر، دریا، پہاڑ، جانور، ہوا، آگ، بادل، چاند، سورج اور دیگر مظاہر فطرت غرضیکہ ہر اس چیز کے آگے گردن جھکا دیتا ہے جس کے اندر کسی قسم کی طاقت یا منفعت اسے نظر آتی ہے۔ حتیٰ کہ اپنے جیسے آدمیوں میں بھی کوئی قوت دیکھتا ہے تو ان کو دیوتا یا معبود مان لینے میں تامل نہیں کرتا۔

✓ اسلام نے ان دونوں انتہائی تصورات کو باطل کر کے انسان کی اصلی حقیقت اس کے سامنے پیش کی۔ قرآن پاک میں بے شمار مقامات پر انسان کے مقام کی نشاندہی کی گئی ہے:

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝ خُلِقَ مِنْ مَّاءٍ دَافِقٍ ۝ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ (۱۰)

(جب یہ بات ہے) تو انسان کو (قیامت کی فکر کرنی چاہیے اور) دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ وہ ایک اچھلتے پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔ جو پشت اور چھاتی (یعنی تمام بدن) کے درمیان سے نکلتا ہے۔

أَوَلَمْ يَرِ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ نُطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُبِينٌ ۝ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ (۱۱)

کیا آدمی کو یہ معلوم نہیں کہ ہم نے اس کو نطفہ سے پیدا کیا سو وہ علانیہ اعتراض کرنے لگا اور اس نے ہماری شان میں ایک عجیب مضمون بیان کیا اور اپنی اصل کو بھول گیا۔

يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرُّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ ۝ الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ ۖ فَمِىْ أُنْثَىٰ صُورَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ (۱۲)

۱۰۔ الطارق ۵۔ ۱۱۔ یسین ۷۷۔ ۷۸

۱۲۔ الانفطار ۶۔ ۸

اے انسان تجھ کو کس چیز نے تیرے ایسے رب کریم کے ساتھ بھول میں ڈال رکھا ہے جس نے تجھ کو (انسان) بنایا پھر تیرے اعضاء کو درست کیا پھر تجھ کو (مناسب) اعتدال پر بنایا (اور) جس صورت میں چاہا تجھ کو ترکیب دے دیا۔

شرف انسانیت ✓

مذکورہ بالا آیات قرآنیہ میں انسان کے تکبر کو توڑا گیا ہے اور اس کے زعم باطل پر کاری ضرب لگائی گئی ہے۔ دوسری جانب اسلام نوع بشر کو بتاتا ہے کہ وہ اتنا ذلیل اور حقیر بھی نہیں جتنا وہ خود کو سمجھتا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ (۱۳)

کہ ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچے میں ڈھالا ہے۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا۔ (۱۴) ✓

اور ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی اور ہم نے ان کو خشکی اور دریا میں سوار کیا اور نفیس نفیس چیزیں ان کو عطا فرمائیں اور ہم نے ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فوقیت دی۔

وَأَذَقْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ (۱۵)

اور جس وقت حکم دیا ہم نے فرشتوں کو (اور جنوں کو بھی) کہ سجدے میں گرجاؤ آدم کے سامنے تو ابلیس کے سوا سب سجدے میں گر پڑے۔

وہ مظاہر فطرت جن کی پرستش انسان نے کی وہ تو دراصل اس کی خدمت کے لیے خلق کی گئی تھیں اسے ان کے سامنے نہیں جھکنا چاہیے۔ قرآن پاک میں اس بات کو بڑے دل نشیں انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

۱۳۔ اٰتین ۳۶ ۱۴۔ الاسراء ۷۰

۱۵۔ البقرہ ۲۴۶

خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيعًا (۱۶)

جو کچھ بھی زمین میں موجود ہے اس نے سب کا سب تمہارے فائدے کے لیے پیدا کیا ہے۔

الَّذِى جَعَلَ لَكُمْ مِنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَا اَنْتُمْ تُوقِدُوْنَ (۱۷)

وہ ایسا (قادر) ہے کہ (بعض) ہرے درخت سے تمہارے لیے آگ پیدا کر دیتا ہے۔ پھر تم اس سے اور آگ سلگاتے ہو۔

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِىْهَا دِفْءٌ وَمَنْفَعُ (۱۸)

اور اس نے چوپایوں کو بنایا ان میں تمہارے لیے پوشاک بھی ہے اور بھی بہت سے فائدے ہیں۔

قرآن پاک اشیاء کائنات کو انسان کے لیے فائدہ مند خدمت گزار اور مسخر قرار دے رہا ہے۔ ان کے سامنے سر بسجود ہونا اور ان سے حاجت روائی کی دعا کرنا نہ صرف انسان کی عاقبت نااندیشی ہے بلکہ اس کے لیے باعث ذلت بھی ہے۔

قرآن کریم کے علاوہ احادیث نبوی ﷺ سے بھی انسان کی عظمت ثابت ہے۔

خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ (۱۹)

اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ: لَا تَقُوْلُوْنَ قُبْحُ اللّٰهِ وَجْهَكَ فَاِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ

عَلٰى صُوْرَتِهٖ (۲۰)

یہ نہیں کہنا چاہیے کہ خدا تیرے چہرے کو بگاڑے..... کہ خدا نے آدم کو اپنی

۱۶۔ البقرہ ۲۹/ ۱۷۔ یٰسین ۸۰/

۱۸۔ النحل ۵/ ۱۹۔ مشکاة کتاب الادب ۳۹۷/

۲۰۔ الادب المفرد باب لا یقول فی اللہ وجہک ۱۰۷/

صورت پر پیدا کیا۔

مندرجہ بالا آیات و احادیث میں انسانی فضیلت و عظمت کو بیان کیا گیا ہے۔ ایسی فضیلت جس میں اور کوئی مخلوق شامل نہیں۔ یہی اس کے اشرف المخلوقات ہونے کا راز ہے حتیٰ کہ اسے خالق کائنات نے اپنا نائب اور خلیفہ فی الارض بنایا۔ ارشادِ باری ہے:

وَاذْقَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (۲۱)

اور جس وقت ارشاد فرمایا آپ کے رب نے فرشتوں سے کہ ضرور میں

بناؤں گا زمین پر ایک نائب۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاٰمَانَةَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاتَّيْنِ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ (۲۲)

ہم نے یہ امانت (یعنی احکام جو بمنزلہ امانت کے ہیں) آسمان، زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی تھی سوانہوں نے اس کی ذمہ داری سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے۔ اور انسان نے اس کو اپنے ذمہ لے لیا۔

یہاں نیابتِ خداوندی اور خلافتِ الہی سے انسانی عظمت مثبت طور پر واضح ہے۔

نیابتِ خداوندی اور خلافتِ الہی دراصل اطاعت کا وہ عہد ہے جو حقوقِ انسانی کی بنیاد

فراہم کرتا ہے۔ آدم کو روئے زمین پر اتارنے کے ساتھ جو ہدایت دی گئی تھی وہ اطاعتِ الہی کے ساتھ بندگانِ خدا اور خلقِ خدا کے سلسلے میں حقوق و فرائض کا ایک ضابطہ تھا جو انسانی زندگی کی ارتقائی سفر میں مختلف تشریحات و توجیحات کے ساتھ انبیاء کرام کے ذریعہ سے انسانیت کو عطا ہوتا رہا تا آنکہ پیغمبرِ آخر الزمان پر انسانیت کی تعلیم و تربیت کا یہ سلسلہ اپنے کمال کو پہنچ کر مکمل ہو گیا۔ غور

۲۱۔ البقرہ ۳۰/۲۱

۲۲۔ الاحزاب ۷۲/۷۳

کریں تو حقوق انسانی کی سند وحی الہی ہے جس کا مقصد خالق کائنات ہے اور جس کا مہبط نبی و رسول کی ذات ہے۔ اس سلسلہ سند کو قرآن کی زبان سے واضح کر دیا گیا:

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَابْرَاهِيمَ وَإِلَٰهَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝ ذُرِّيَّتَهُم
بِغُضِّهَا مِنْ مَّ بَعْضِ ط وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (۲۳)

اللہ نے آدم، نوح، آل ابراہیم اور آل عمران کو تمام دنیا پر ترجیح دے کر اپنی رسالت کے لیے منتخب کیا یہ ایک ہی سلسلے کے لوگ تھے جو ایک دوسرے کی نسل سے پیدا ہوئے تھے۔

سَرَّعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وُضِيَ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ
إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ۔ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا
تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ۔ اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ۔ (۲۴)

اللہ نے مقرر کیا ہے تمہارے لیے وہ دین جس کی ہدایت کی گئی ابراہیم اور موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اس تائید کے ساتھ کہ تم لوگ قائم کرو اس دین کو اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ۔

✓ حقوق کا اسلامی تصور

✓ شرف انسانیت کے بعد حقوق کے اسلامی تصور کا ذکر کرتے ہیں۔ جس سے واضح ہو گا کہ اسلام نے انسانیت کو کیا عطا کیا ہے؟

اسلام کا تصور یہ ہے کہ انسان کے پیدائشی حقوق بھی ہیں اور ریاست کے عطا کردہ بھی اجتماعی بہبود کا لحاظ بھی ضروری ہے اور اخلاقی حدود کا خیال بھی ناگزیر ہے۔ اس اعتبار سے حقوق اللہ کی طرف سے عطا کردہ ہیں اور کوئی فرد سوسائٹی اور ریاست ان حدود سے تجاوز نہیں کر سکتی۔ بلاشبہ فرد کی فلاح اور سوسائٹی کی بقا دونوں ضروری ہیں اور ان کے درمیان توازن کا خط کھینچنا

۲۳۔ آل عمران ۳۳-۳۲

۲۴۔ الشوریٰ ۱۳

ضروری ہے اور یہ توازن وحی والہام کی غیر جانبدارانہ تعلیم کے سوا ممکن نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امیر المومنین اگر احکام خداوندی کے خلاف حکم دے تو ایک عام آدمی بھی اسے رد کر سکتا ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے: لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ۔

اللہ تعالیٰ کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت کی گنجائش نہیں (۲۵)

ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلام کا تصور جامع اور کامل ہے۔ اسلام حقوق کی بحث میں فرد کو بے لگام نہیں ہونے دیتا اور اسے اس بات کی اجازت نہیں کہ مصالح عامہ کے خلاف حرکتیں کرتا پھرے۔ مغرب کی تاریخ اور اس کے سیاسی ارتقاء سے واقف لوگوں کے نزدیک انسان کے حقوق کی تاریخ یو۔ این۔ او کے چارٹر سے شروع ہوتی ہے یا انگلستان کے میگنا کارنا (Magna Carta) سے۔ حالانکہ یہ بات بدہمتا غلط ہے۔ اسلام نے تو انسانی حقوق کی ضمانت اس وقت دی جب دنیا اس کے تصور تک سے نا آشنا تھی۔

اسلام ایک فطری دین ہے جس کے مطابق یہ کائنات انسان کے لیے بنائی گئی ہے۔ اس اعتبار سے انسان کو یہ سبق دیا گیا ہے کہ کائنات کی ہر شے کا لحاظ رکھا جائے۔ حتیٰ کہ جمادات نباتات اور حیوانات کے سلسلے میں بھی ہدایات دی گئی ہیں۔ مثلاً نباتات کو بے مقصد نہ کاٹا جائے حیوانات کو بے سبب تکلیف نہ پہنچائی جائے۔ اس میں انسان کے متعلق تو اس قدر تفصیلی ہدایات ہیں کہ کسی دیگر مذہب اور کسی معاشرتی و سیاسی نظام میں نہیں پائی جاتیں۔ اسلام فرد سے آغاز کر کے اجتماعیت کے نقطہ عروج تک سب کو سمیٹ لیتا ہے۔ اسلام نے حقوق کی اقسام بیان کی ہیں۔ پھر ان کی ترتیب کو ملحوظ رکھا ہے اور اس خوش اسلوبی سے اسے سمیٹا ہے کہ انسانی زندگی کا کوئی گوشہ باقی نہیں رہا۔ جیسا کہ ابھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ اسلام نے حقوق کی اقسام بیان کی ہیں۔ مثلاً وہ حقوق کو اخلاقی، قانونی، سیاسی و معاشی میں تقسیم کرتا ہے۔ اخلاقی حقوق میں وہ انفرادی و اجتماعی حقوق آ جاتے ہیں جن کی ادائیگی اخلاقی بنیادوں کے لیے ضروری ہے اگرچہ ان کے لیے قانونی و

سیاسی بندش نہیں تاہم معاشرتی احساس کا تقاضا اور شرف انسانیت کا مطالبہ ہے کہ انہیں ادا کیا جائے۔ اس کے بعد وہ حقوق آتے ہیں جن کا لحاظ نہ کیا جائے تو اجتماعیت برقرار نہیں رہ سکتی۔ ایسے حقوق کی پامالی پر قانونی گرفت ہوتی ہے۔ اسلام ان حقوق کا تحفظ قانون کے ذریعہ سے کرتا ہے۔ عدم لحاظ کی صورت میں اس کے لیے حد اور سزا قائم کرنا قانون کا کام ہے۔ اس سے ملتے جلتے وہ حقوق ہیں جو ایک ریاست اپنے شہریوں کو دیتی ہے۔ گو یہ حقوق فطری ہیں اور ہر منظم شہریت اس بات کی پابند ہے کہ ان میں رکاوٹ نہ ڈالے لیکن پھر بھی ریاست کا اعلان ضروری ہے۔ اس کے بعد وہ مقام آتا ہے جہاں انسانیت اپنے وسیع مفہوم میں حقوق کا تعین کراتی ہے اور اس کے لیے کوئی مذہبی، لسانی، جغرافیائی اور معاشی حد بندیاں نہیں ہوتیں۔ ان کا مستحق ہر وہ شخص ہے جس پر لفظ انسان صادق آتا ہے۔ جس طرح اسلام نے حقوق انسانی کو مرتب صورت میں پیش کیا ہے اور اس کا خیال رکھنے کے لیے اصول و ضوابط دیے ہیں وہ کسی نظام میں نہیں۔ ان کے بعض حصے ضرور کہیں نہ کہیں پائے جاتے ہیں لیکن وہ تفصیل و ترتیب نہیں۔ قرآن و سنت کی نصوص اسوہ رسول اور عمل صحابہؓ سے ان کی بہترین تشریح ہو سکتی ہے۔

حقوق کی اہمیت

جہاں تک انسانی حقوق کا تعلق ہے اس کی اہمیت سے کسی بھی ذی فہم کو انکار نہیں ہو سکتا۔ انسانی معاشرہ میں حقوق کی اہمیت کا اندازہ اس کی کے اس فقرہ سے بھی بخوبی ہو سکتا ہے۔ وہ کہتا ہے۔

Right, in fact are those conditions of social life without which no man can seek, in general, to be himself at his best. (۲۶)

مغربی مفکرین دعویٰ کرتے ہیں کہ بنیادی انسانی حقوق کی تاریخ صرف چند صدیوں کی تاریخ ہے اور مغرب میں جو کچھ بڑی جدوجہد کے بعد جو کچھ حاصل کیا ہے آج پوری دنیا اس سے فیض یاب ہو رہی ہے۔ لیکن قرآن نے جو تاریخ ہمارے سامنے پیش کی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس دن اولین انسان نے اس دنیا میں قدم رکھا تھا بنیادی حقوق اسی دن سے اس کے احساس و شعور کا حصہ ہیں اور ان کا حصول و تعین ان کا اپنا کارنامہ نہیں بلکہ خود مقتدر اعلیٰ نے اسے بتدریج یہ حقوق عطا کیے ہیں۔ جہاں کہیں بھی حقوق کی بات ہوگی وہاں الہامی تعلیمات کا نور جھلکتا دکھائی دے گا۔ وحی الہی نے ہی بنیادی حقوق کا شعور پیدا کیا۔ قرآن کی پیش کردہ تاریخ کی روشنی میں دیکھا جائے تو فطری حقوق (Natural Rights) اور پیدائشی حقوق (Birth Rights) کی اصطلاحوں کے بارے میں واضح تصور موجود ہے جبکہ مغربی تصور حقوق میں کافی ابہام پایا جاتا ہے۔ اسلام نے حقوق کے فطری اور پیدائشی پہلو کو واضح کیا ہے کیونکہ ان حقوق کا عطا کرنے والا اللہ خالق و مالک ہے۔ وحی الہی ہی حدود و قیود متعین کرتی ہے۔ ریاست اور شہری دونوں قرآن و سنت کے ایک ایسے ناقابل ترمیم اور ناقابل تسخیر (Irrevocable) دستور کے تحت زندگی بسر کرنے کے پابند ہیں جس کی کوئی ایک دفعہ بھی ان کے درمیان قابل گفت و شنید (Negotiable) نہیں۔

حقوق کی درجہ بندی

بقول سید سلیمان ندوی ”اسلام کے سوا دوسرے مذاہب میں انسانی حقوق کی درجہ وار کوئی تفصیل نہیں۔ انسان اور حیوان کے درمیان بھی کوئی خط فاصل نہیں۔ مثلاً بدھ کی اخلاقی تعلیم میں انسان اور حیوان کے اور پھر انسانوں میں اہل ملک، قوم، قبیلہ اور خاندان کی کوئی تمیز نہیں بلکہ سرے سے رشتہ اور قرابت کی اس میں کوئی دفعہ نظر نہیں آتی۔ اسی طرح ہندو قانون میں ایک جانور اور انسان کا قتل برابر کا درجہ رکھتا ہے اور ایک جانور بھی اپنی منفعت رسانی کے باعث ماں کا درجہ پاسکتا ہے۔ یہودیت اور عیسائیت میں تمام قرابت داروں کو چھوڑ کر صرف ماں باپ کا ذکر

کیا گیا ہے اور ان کے برترانہ حق اطاعت کو تسلیم کیا گیا ہے لیکن دوسرے قرابت مندوں اور رشتہ داروں کو ان میں کوئی مرتبہ نہیں دیا گیا۔ لیکن اسلام نے اس مسئلہ میں فطری تفصیل سے کام لیا ہے“ (۲۷) اسلام نے یہ ترتیب اخلاقی حقوق میں رکھی ہے مثلاً سورہ نساء میں انہیں اس طرح بیان فرمایا:

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ۔ (۲۸)

اور والدین کے ساتھ اچھا معاملہ کرو اور اہل قرابت کے ساتھ بھی اور یتیموں اور غرباء کے ساتھ بھی اور پاس والے پڑوسی کے ساتھ بھی اور دور والے پڑوسی کے ساتھ بھی اور ہم مجلس کے ساتھ بھی اور راہ گیر کے ساتھ بھی اور ان کے ساتھ بھی جو تمہارے مالکانہ قبضہ میں ہیں۔

قُلْ مَا أَنْفَقْتُ مِنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ۔ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ (۲۹)

آپ فرما دیجیے کہ جو کچھ مال تم کو صرف کرنا ہو سو ماں باپ کا حق ہے اور قرابت داروں کا اور بے باپ کے بچوں کا اور محتاجوں کا اور مسافر کا اور جو نیک کام کرو گے اللہ تعالیٰ کو اس کی خوب خبر ہے۔

وَاتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا (۳۰)

اور قرابت دار کو اس کا حق (مالی وغیر مالی) دیتے رہنا اور محتاج اور مسافر کو بھی دیتے رہنا اور (مال کو) بے موقع مت اڑانا۔

اس ترتیب میں فطری تعلق اس طرح سمولیا گیا ہے کہ انسان اعتدال و توازن سے نہیں ہٹتا۔ حدیث نبویؐ میں انسان کے ذاتی حقوق کا بھی ذکر ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

۲۷۔	سیرۃ النبیؐ ۶/۲۱۰	۲۸۔	النساء ۳۶
۲۹۔	البقرہ ۲۱۵	۳۰۔	الاسراء ۲۶

إِنَّ لِرَبِّكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَلِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَلَا هُلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا فَأَعْطِ كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ. (۳۱)

تیرے پروردگار کا تجھ پر حق ہے۔ تیرے نفس کا تجھ پر حق ہے۔ تیرے عیال کا تجھ پر حق ہے۔ سو تجھے ہر حق دار کا حق دینا چاہیے۔

عن عبد الله بن عمرو بن العاص قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا عَبْدَ اللَّهِ أَلَمْ أُخْبِرْ أَنَّكَ تَصُومُ النَّهَارَ وَتَقُومُ اللَّيْلَ فَقُلْتَ: بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فَلَا تَفْعَلْ صُومَ وَأَفْطِرْ وَقُمْ وَنَمْ فَإِنَّ لِبَاسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لِرَوْحِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لِرِزْقِكَ عَلَيْكَ حَقًّا (۳۲)

عبداللہ بن عمرو بن العاص کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ کیا یہ صحیح خبر نہیں دی گئی کہ تم دن کو روزہ رکھتے ہو اور رات کو قیام کرتے ہو، انہوں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہؐ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا نہ کیا کرو۔ روزہ رکھو اور افطار بھی کرو کیونکہ تیرے وجود کا تجھ پر حق ہے۔ تیری بیوی کا تجھ پر حق ہے، تیرے مہمان کا تجھ پر حق ہے۔

حقوق کی اس تفصیل میں اجتماعی ضرورت اور معاشرتی اساس کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے۔ مثلاً قرآن و سنت میں ان حقوق کی تفصیل بیان کرتے ہوئے یہ ترتیب رکھی گئی ہے۔

✓ حقوق والدین، حقوق اولاد، حقوق زوجین، اہل قرابت کے حقوق، ہمسایہ کے حقوق، یتیموں کے حقوق، یتیموں کے حقوق، بیواؤں کے حقوق، حاجت مندوں کے حقوق، بیماروں کے حقوق، غلاموں کے حقوق، مہمانوں کے حقوق، مسلمانوں کے باہمی حقوق اور انسانی برادری کے حقوق بلکہ اس سے بڑھ کر جانوروں کے حقوق اور نباتات کے حقوق کا بھی ذکر ہے۔ ان میں ہر ایک کے متعلق ایسا

۳۱۔ بخاری، کتاب الصوم، باب حق الجسم فی الصوم، ۴۹۲/۱

۳۲۔ بخاری، کتاب الصوم، باب من اقسم علی اذیہ لیفطر فی التطوع، ۴۹۱/۱

جامع اور اتنا انسانی اور فطری طریق کار اختیار کیا ہے کہ انسانی معاشرہ قابل رشک صورت اختیار کر سکتا ہے۔

انسانی حقوق

اسلام نے انسانی برادری کے حقوق کا ذکر تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ یہ حقوق قابل غور ہیں۔ مثلاً اچھی بات کہنا اور اچھائی سے پیش آنا۔ قرآن پاک میں آتا ہے: وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا (۳۳) اور عام لوگوں سے بات اچھی طرح (خوش خلقی سے) کہنا۔ انسانی معاملات میں کوئی تعصب جائز نہیں۔ فرمایا:

وَلَا يَجْرِ مِنْكُمْ شَنْآنٌ قَوْمٍ عَلَىٰ الْآخَرِ لَعَلَّكُمْ تَعْدِلُونَ. اِعْدِلُوا. هُوَ أَقْرَبُ
لِلتَّقْوَىٰ (۳۴)

اور کسی خاص قوم کی عداوت اس کا باعث نہ بن جائے کہ تم عدل نہ کرو۔
عدل کیا کرو کہ وہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔

حسد کینہ اور غیبت سے روکا گیا ہے اور محبت انسانی کی ترغیب دی گئی ہے۔ ارشاد
رسول ہے:

لَا تَبَاغَضُوا وَلَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَدَابَرُوا وَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا (۳۵)
نہ ایک دوسرے سے بغض رکھو اور نہ ایک دوسرے سے حسد کرو اور نہ باہم روگردانی
کرو اور اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی ہو جاؤ۔

لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتَّىٰ يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ. (۳۶)

۳۳۔ البقرہ ۸۳

۳۴۔ المائدہ ۸

۳۵۔ مشکاۃ باب ما تنهى عنه من التهاجد والتقاطع ۶۲۰/۲

۳۶۔ ایضاً ۶۰۷/۲

کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے لیے وہ کچھ پسند نہ کرے جو اپنی ذات کے لیے کرتا ہے۔

اسلام میں انسانی ہمدردی، خیر خواہی اور امداد و تعاون میں مسلم و غیر مسلم کے فرق کو بھی مٹا دیا گیا ہے، اسیروں کی امداد، غلاموں کی آزادی، غریبوں کی امداد اور حاجت مندوں اور مستحقوں کے لحاظ سے مذہبی تفریق جائز نہیں۔ ام المؤمنین صفیہؓ اپنے یہودی رشتہ داروں کی امداد کرتیں۔ ابو عبیدہؓ، عمرو بن شریلؓ اور عمرو بن میمونؓ عیسائی راہبوں کی امداد کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت عمرؓ نے ایک بوڑھے بھکاری کے اخراجات بیت المال سے ادا کر دیے تھے۔ اسلام جو مساوات کا علمبردار ہے، اس کی نظر میں تمام انسان برابر ہیں۔ اور سب کو یکساں حقوق حاصل ہیں۔ خالق حقیقی قرآن پاک میں انسانوں کے بارے میں جو کچھ فرماتا ہے اسے ہم وحدت نسل انسانی کا عنوان دے سکتے ہیں۔

وحدت نسل انسانی

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً (۳۷)

اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جاندار سے پیدا کیا۔ اور اس جاندار سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلانیں۔

اس سے انسانوں کا برابر ہونا ثابت ہے اور اس برابری کے نتیجہ میں حقوق بھی سب کو یکساں حاصل ہیں۔ اب فرد افراد ان بنیادی حقوق کو بیان کیا جاتا ہے جو اسلامی نقطہ نظر سے انسان کو حاصل ہیں۔

جان و مال اور ناموس کا تحفظ

قرآن پاک میں انسانی جان کے تحفظ کو یوں بیان کیا گیا ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ

جَمِيعًا (۳۸)

جو شخص کسی شخص کو بلا معاوضہ دوسرے شخص کے یا بدون فساد کے جو زمین میں اس سے پھیلا ہو قتل کر ڈالے تو گویا اس نے تمام آدمیوں کو قتل کر ڈالا اور جو شخص کسی شخص کو بچالے تو گویا اس نے تمام آدمیوں کو بچالیا۔

اس آیت پاک میں ایک انسان کے قتل کو پوری انسانیت کا قتل بتایا گیا ہے۔ اور دوسری جانب ایک انسان کی جان بچانے کو پوری نسل انسانی کی جان بچانے کے مترادف ٹھہرایا گیا ہے۔ دراصل اس میں حرمت جان کا اصول دیا گیا ہے۔ اور اس سے صرف دو حالتیں مستثنیٰ ہیں۔
(۱) اگر کوئی شخص قتل کا مرتکب ہوا ہو تو اسے قصاص کے طور پر قتل کیا جائے۔
(ب) فساد فی الارض جیسے سنگین جرم کا ارتکاب کرنے والے کو قتل کیا جائے۔

متذکرہ بالا آیت سے انسانی جان کے تحفظ کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ خلیفہ عبدالحکیم اس پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

The instinct of self-preservation is a basic natural urge of life in all its gradations. But for human beings the self to be preserved is not only the individual physical entity. his essential self is a social self. (۳۹)

ایک انسان کا سب سے مقدم و مقدس حق یہ ہے کہ اس کی جان و مال اور ناموس کی حفاظت کی جائے۔ عزت و آبرو کے حق کو قرآن نے یوں بیان کیا ہے۔

لَا يَسْخَرُ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ (۴۰) وَلَا تَنَابَزُوا بِاللُّقَابِ (۴۱)

نہ ٹھٹھا کرے کوئی قوم کسی قوم سے۔ اور نہ ایک دوسرے کو برے لقب سے پکارو۔

پیغمبر اسلام نے مذکورہ حق کے احترام کی تاکید مختلف طریقوں سے بیان فرمائی۔ حجۃ الوداع کے خطبہ میں آپؐ نے ارشاد فرمایا:

فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا (۴۲)

تمہاری جانیں اور تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں ویسی ہی حرمت رکھتی ہیں جیسی حج کے اس دن کی حرمت ہے۔

شخصی آزادی کا حق

دوسرا اہم حق جو اسلام نے انسان کو دیا ہے وہ شخصی آزادی کی حفاظت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مجبور محض نہیں پیدا کیا ہے بلکہ ایک خاص دائرے کے اندر اس کو اختیار بھی بخشا ہے اور اس اختیار ہی کی بنا پر اس کو دنیا میں امر و نہی کا مکلف اور آخرت میں جزا و سزا کا حق دار بنایا ہے۔ انسانوں کے لیے جو اجتماعی نظام پسند فرمایا ہے اس میں فرد کو جماعت کے ہاتھ میں ایک آلہ بے جان بنا کر نہیں چھوڑ دیا ہے بلکہ زندگی کے ہر گوشہ میں ایک خاص حد تک اس کی انفرادی آزادی محفوظ رکھی ہے اور اس آزادی ہی کے صحیح یا غلط استعمال پر اس کی انفرادی شخصیت کے کمال و زوال اور آخرت میں اس کی فلاح و خسران کو منحصر کیا ہے۔ اسی وجہ سے یہ عین منشاءِ الہی ہے کہ ہر شخص کی انفرادی آزادی اس وقت تک محفوظ رکھی جائے جب تک وہ اپنی اس آزادی کو دوسروں کی آزادی سلب کرنے یا جماعت کے مفاد کو خطرہ میں ڈالنے کے لیے استعمال نہیں کرتا۔

ان حقوق کے بعد آزادی کا ہونا لازمی امر ہے۔ اسلام میں کسی شخص کی آزادی

معروف قانونی طریقہ پر اس کا جرم ثابت کیے بغیر اور اسے صفائی کا موقع دیے بغیر سلب نہیں کی جاسکتی۔ اسلام اس بات کو جائز نہیں رکھتا کہ محض شبہات و اوہام کی بنا پر کسی شخص کو اس کے اس بڑے فطری حق سے محروم کر دیا جائے۔ انفرادی مصلحت سے قطع نظر تمدنی و اجتماعی نقطہ نظر سے بھی اسلام شبہات اور بدگمانیوں کی بنا پر کسی کی شخصی آزادی پر حملہ کو نہایت خطرناک قرار دیتا ہے۔ ابوداؤد میں یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ مدینہ کے کچھ لوگ شبہ کی بنا پر گرفتار کیے گئے تھے۔ ایک صحابی نے عین خطبہ کے دوران اٹھ کر نبی کریمؐ سے سوال کیا کہ میرے ہمسایوں کو کس قصور میں پکڑا گیا ہے؟ نبی اکرمؐ نے دو مرتبہ ان کے اس سوال کو سن کر سکوت فرمایا تا کہ کو تو ال شہر اگر گرفتاری کے لیے کوئی معقول وجوہ رکھتا ہے تو اٹھ کر بیان کرے لیکن جب تیسری مرتبہ ان صحابی نے اپنے سوال کا اعادہ کیا اور کو تو ال نے کوئی وجہ بیان نہ کی تو آپؐ نے حکم فرمایا۔

۱۔ خَلُّوَالَهُ جَبْرًا (۴۳)

اس کے ہمسایوں کو رہا کر دو۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی اکرمؐ کسی کو مجرد الزام پر قید نہیں کر دیا کرتے تھے۔ خلافت راشدہ میں بھی ایسی مثالیں ملتی ہیں جن سے شخصی آزادی کے تحفظ کا علم ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے دور کا ایک واقعہ درج کیا جاتا ہے۔

ربیعہ بن عبد الرحمنؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس اہل عراق میں سے ایک شخص آیا اور عرض کیا کہ امیر المؤمنین! میں ایک ایسے معاملہ کی وجہ سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں جس کا نہ کوئی سر ہے نہ پیر۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا وہ کیا؟ اس نے کہا کہ جھوٹی شہادت کا فتنہ ہمارے ملک میں پھوٹ پڑا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا 'اچھا' یہ چیز شروع ہو گئی ہے۔ اس نے کہا کہ ہاں۔ آپؓ نے فرمایا۔ وَاللّٰهِ لَا يُؤَسِّرُ رَجُلٌ فِی الْاِسْلَامِ بِغَيْرِ الْعَدْلِ (۴۴)۔ (خدا

۴۳۔ ابوداؤد کتاب القضاء ۳/۴۲۷

۴۴۔ موطا کتاب الاقضية باب شرط الشاهد ۲/۲۰۷

کی قسم اسلام میں کوئی شخص بغیر عادل گواہوں کے قید نہیں کیا جاسکتا۔

عمر بن العاصؓ کے بیٹے کا مصری کو کوڑے مارنا اور قید کرنا بعد ازاں اس کا فرار ہونا اور حضرت عمرؓ کے پاس جانا ایک مشہور واقعہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا۔ مَنَى نَعْبُذُ نَمَ النَّاسِ وَقَدْ وَلَدَتْهُمْ أُمَّهَاتُهُمْ أَحْرَاراً (۴۵) (تم کیوں لوگوں کو غلام بناتے ہو جب کہ ان کی ماؤں نے ان کو آزاد جنا ہے۔)

مذہب و مسلک کی آزادی

تیسرا اہم حق عقیدہ و مذہب اور مسلک ورائے کی آزادی کا ہے۔ اسلام نے انسانیت کو ”لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ“ (۴۶) کا اصول دیا۔ اس کے تحت ہر شخص کو آزادی ہے کہ وہ جس مذہب یا مسلک کو اپنانا چاہے اپنالے۔ اس حق کے باب میں اسلامی قانون کی سب سے بہتر وضاحت حضرت علیؓ نے کی ہے۔ ان کے زمانے میں خوارج کا گروہ پیدا ہوا جو علانیہ اسٹیٹ کے وجود کی نفی کرتا اور بزورِ شمشیر اس کو مٹانے پر تلا ہوا تھا۔ حضرت علیؓ نے ان کو پیغام بھیجا۔

كُونُوا حَيْثُ شِئْتُمْ وَ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ أَنْ لَا تَسْفِكُوا دَمًا وَلَا تَقْطَعُوا سَبِيلًا وَلَا تَظْلِمُوا أَحَدًا فَإِنْ فَعَلْتُمْ نَبَذْتُ إِلَيْكُمْ الْحَرْبَ۔ (۴۷)

تم جہاں چاہو رہو ہمارے اور تمہارے درمیان یہ قرارداد ہے کہ تم خون ریزی اور رہزنی نہ اختیار کرو گے اور ظلم سے باز رہو گے۔ اگر ان باتوں میں سے کوئی بات تم سے سرزد ہوئی تو پھر میں تمہارے خلاف جنگ کا حکم دے دوں گا۔

مساوات کا حق

اسلام نے نہ صرف مساوات کے حق کو تسلیم کیا ہے بلکہ علانیہ کہا ہے کہ تمام انسان برابر ہیں اگر کسی کو فضیلت ہے تو وہ تقویٰ کے اعتبار سے۔ ارشاد باری ہے:

۴۵۔ کنز العمال ۱/۳۵۵ ۴۶۔ البقرہ ۲۵۶

۴۷۔ نبل الادب ۲/۱۳۹

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا۔

إِنَّا أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتَقْنُمْ۔ (۲۸)

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے بڑا شریف وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔

اس میں یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ قوموں کی تقسیم محض تعارف کے لیے ہے۔ مختلف نسلیں، مختلف رنگ، مختلف زبانیں درحقیقت انسانی دنیا کے لیے کوئی معقول وجہ تقسیم نہیں ہیں۔

مساوات ہی کے ضمن میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تھا ”هَلَكَ كَسْرَىٰ فَلَا يَكُونُ

كَسْرَىٰ بَعْدُ“۔ (۳۹)

کسرئی مرچکا آج کے بعد کوئی کسرئی نہیں ہوگا۔

قانونی مساوات

اسلام کے نزدیک ہر شخص بلا امتیاز قانون کے سامنے جوابدہ ہے۔ اس دین میں تو قانونی مساوات کا بلند تر تصور یہ ہے کہ بانی اسلام ﷺ بھی اس سے ماورا نہیں۔ ایک مرتبہ قریش کے ایک معزز گھرانے کی ایک عورت نے چوری کی۔ (چوری کی سزا اسلام میں قطعید ہے) لوگوں نے عورت کے خاندان کی عظمت کے پیش نظر اسے اس جرم کی سزا سے بچانا چاہا۔ اسامہ بن زیدؓ جو آنحضرت ﷺ کے نہایت محبوب تھے سفارش کے لیے آپ کی خدمت میں بھیجے گئے۔ مگر آپ اس پر نہایت ناراض ہوئے اور فرمایا ”تم سے پہلے بہت سی قومیں اسی وجہ سے ہلاک ہوئیں کہ جب ان میں کوئی معمولی آدمی چوری کرتا تو اس کو سزا دیتے اور اگر کوئی بااثر آدمی چوری کرتا تو اس سے درگزر کرتے (لیکن میں ایسا نہیں کرنے کا) خطبہ جاری رکھتے ہوئے فرمایا ”وَالَّذِي

۳۸۔ الحجرات ۱۳

۳۹۔ مشکوٰۃ کتاب اللعن باب الماتم ۱۵۳

نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ فَاطِمَةُ فَعَلْتَ ذَلِكَ لَقَطَعْتُ يَدَهَا“ (۵۰)

اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر فاطمہ (بنت محمد) بھی یہ کام کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔

ایک روایت میں یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ عالموں کے فرائض پہ گفتگو کر رہے تھے کہ وہ زیادتی کرنے والے سے قصاص لیں گے تو عمرو بن العاصؓ نے کہا: فرض کیجیے کہ ایک شخص کہیں کا گورنر ہے اور وہ کسی کو سزا دیتا ہے تو کیا آپ اس سے بھی قصاص دلوائیں گے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا ”وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا قُضُنَّهُ مِنْهُ وَلَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْضِي مِنْ نَفْسِهِ۔“ (۵۱)

اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں اس (گورنر) سے بھی قصاص لوں گا کیونکہ میں نے خود دیکھا ہے کہ رسول اللہؐ کو خود اپنی ذات کے خلاف بدلہ کا موقع دیتے تھے۔

خلافت راشدہ میں بھی ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ خلفائے راشدین مدعا علیہ کی حیثیت سے عام عدالتوں میں حاضر ہوئے اور ایک معمولی شہری کے مقابل میں اپنے اوپر لگائے ہوئے الزام کے سلسلے میں جواب دہی کی۔

معاشرتی مساوات

خون، نسب، رنگ اور پیشہ وغیرہ کی بناء پر جو فرق و امتیازات قائم کیے گئے ہیں۔ اسلامی نقطہ نظر سے سب باطل ہیں۔ شرافت اور رذالت کی کوئی صرف تقویٰ ہے۔ قرآن پاک نے اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا ہے:

وَجَعَلْنَكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا۔ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتَقْوَىٰ (۵۲)

۵۰۔ بخاری، کتاب الحد و ذباب اقامۃ الحد و علی الشریف والوضیع، ۱۱۷۰ (دارالسلام ایڈیشن)

۵۱۔ کتاب الخراج، ۶۶ ۵۲۔ الحجرات، ۱۳

اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو۔ اللہ

تعالیٰ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔

فتح مکہ کے بعد آپؐ نے جو تقریر فرمائی وہ بھی اس مساوات کا ایک تین ثبوت ہے۔

لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ وَلَا لَأَحْمَرَ عَلَى

أَسْوَدَ وَلَا لَأَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوَىٰ وَلَا فَضْلَ لِلْأَنْسَابِ (۵۳)

کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر نہ کسی گورے کو کسی

کالے پر اور نہ کسی کالے کو کسی گورے پر۔ سوائے تقویٰ کے اور نسبتوں کو کوئی فضیلت حاصل نہیں۔

معاشی مساوات

معاشی دائرہ میں ہر انسان کا ایک حق ہے اور دنیا کی پیداوار میں اس کا حصہ ہے۔ ہر

انسان کو ہدایت ہے کہ وہ اپنے حصہ کو نہ بھولے۔ (لَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا) (۵۴) نبی

اکرمؐ نے انسانی معاشرہ کے ہر رکن کے لیے مندرجہ ذیل حقوق رکھے ہیں:

- ۱۔ بَيْتٌ لِّسَكْنِهِ۔ رہنے کے لیے گھر
- ۲۔ ثَوْبٌ يُوَارِي عَوْرَتَهُ۔ تن ڈھانپنے کے لیے کپڑا
- ۳۔ جِلْفُ الْخُبْزِ۔ پیٹ کے لیے روٹی
- ۴۔ الْمَاءُ۔ پانی (استعمال کے لیے خواہ وہ آسمان سے برے یا نہروں و کنوؤں سے آئے)۔

قرآن کریم کا بیان ہے: فَدَرَّ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سِوَاءَ لِلنَّاتِلِينَ (۵۵)

ایک اور مقام پر فرمایا: خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا۔ (۵۶) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ

۵۳۔ مسند احمد ۳/۵۱۱؛ منہجی الاخبار

۵۴۔ القصص ۷۷ ۵۵۔ فصلت ۱۰

۵۶۔ البقرہ ۲۹۹

تمام اشیاء تمام بنی نوع آدم کی ملکیت ہیں۔

اس سے اگلا قدم یہ ہے کہ تمام انسان معاشی میدان میں چند اخلاقی اصولوں اور کچھ قوانین کے تحت اپنی صلاحیتوں کی بنا پر تگ و دو کرنے میں آزاد ہیں۔ معاشی مساوات سے اجتماعی ملکیت ہرگز مراد نہیں بلکہ یہ دین تو ذاتی ملکیت کا بنیادی حق بھی انسان کو دیتا ہے فی الحقیقت اسلام حق معیشت کی مساوات کا قائل ہے۔ البتہ جائز ذرائع سے کسی پر ظلم کیے بغیر اگر کوئی شخص زیادہ وسائل حاصل کرتا ہے تو اسلام اس سے غصب کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ ہاں وہ ظلم، احتکار و اکتناز اور لوٹ کھسوٹ کی بھی اجازت نہیں دیتا۔

اسلام انسان کو معاشی تحفظ فراہم کرتا ہے۔ وہ انسان کو معاشی جدوجہد میں بھرپور حصہ لینے کی تلقین کرتا ہے تاکہ وہ کسی کا دست نگر نہ ہو۔ وہ انسانی زندگی میں جدوجہد کے بارے میں ایک عمومی اصول دیتا ہے جس میں معاشی جدوجہد بھی شامل ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ۔ (۵۷)

انسان کے لیے کچھ نہیں مگر وہ جس کے لیے اس نے سعی کی۔

وہ اس جدوجہد میں حرام و حلال اور جائز و ناجائز کی حدود متعین کرتا ہے تاکہ معاشرے میں لوٹ کھسوٹ، معاشی استحصال، ذخیرہ اندوزی اور چور بازاری اور ناجائز کاروباری سرگرمیاں جاری نہ رہ سکیں۔ اسلام معاشرے میں انفاق کے اصول متعارف کراتا ہے جو بالآخر اسے خود کفالت کی منزل عطا کرتا ہے۔ ہر شہری کی ذمہ داری ہے کہ وہ دوسرے شہری کی زندگی سے معاشی تعطل کو دور کرے اور اسے فعال معاشی کارکن بنائے وہ محروم المعیشت لوگوں کو خوشحال شہریوں کے اموال کا حصہ دار بناتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مِّمَّا لَعَنُوا (۵۸)

وہ (مسلمان) جن کے مالوں میں سائل اور محروم کا ایک حق ہے۔

وَفِيْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (۵۹)

اور ان کے مال میں مانگنے اور نہ مانگنے والے محروم کا حق ہے۔

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ دینے والا لینے کو اس کا حق دے رہا ہے احسان نہیں کر رہا۔
قرآن اسے اللہ کا قرض قرار دیتا ہے یعنی کوئی شخص اگر کسی محروم شہری کی مدد کرتا ہے تو وہ اللہ کو قرض دے رہا ہے جس کا نفع یقینی ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاقْبِضُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ وَاقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا (۶۰)

نماز قائم کرو زکوٰۃ دو اور اللہ کو اچھا قرض دیتے رہو۔

انفاق کی سرگرمی کے باوجود اگر کچھ لوگ رہ جائیں تو اسلامی ریاست ان کی کفالت کا انتظام کرے گی۔ مسلمانوں کا بیت المال محروم شہریوں کا ذمہ دار ہے۔ خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس کا کوئی سرپرست نہیں اس کا سرپرست میں ہوں۔ اَنَا وَلِيُّ مَنْ لَا وَلِيَّ لَهُ (۶۱)

اسی طرح مرنے والے کے قرض کے بارے میں فرمایا:

اَنَا وَاِثْ مَنْ لَا وَاِثْ لَهُ اَعْقِلْ لَهُ وَارِثُهُ (۶۲)

جس کا کوئی وارث نہیں اس کا میں وارث ہوں اس کی جانب سے دیت دوں گا اور اس

کا وارث ہوں گا۔

ذاتی ملکیت کا حق

اسلام انفرادی ملکیت کے حق کو اصول و ضوابط کے ساتھ تسلیم کرتا ہے جو بالآخر جماعت کے مصالح پر منتج ہوتی ہے۔ اس حق کی جائز صورتوں کو تو وہ اپنے نظام کی بنیاد قرار دیتا ہے۔

۵۹۔ الذاریات ۱۹۔ ۶۰۔ المزل ۲۰۔ ۶۱۔ مسند احمد ۳/۱۳۳

۶۲۔ ابوداؤد کتاب الفرائض باب فی میراث ذوی الارحام ۳/۱۳۹

قرآن پاک کا فرمان ہے۔

لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا۟ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ (۶۳)

مردوں کے لیے ان کے مال کا حصہ ثابت ہے اور عورتوں کے لیے ان کے مال کا حصہ

ثابت ہے۔

وَأُولَٰئِكَ يَتْلَوْنَ آيَاتِ اللَّهِ وَلَا تَنَبَّذُوا۟ بِهَا تَنَبَّذَ بِهَا الطَّيِّبُ (۶۴)

اور قییموں کے مال ان ہی کو پہنچاتے رہو اور تم اچھی چیز سے بری چیز کو

مت بدلو۔

اسلام ذاتی ملکیت کو تسلیم کرنے پر ہی اکتفا نہیں کرتا بلکہ اس سے مرتب ہونے والے لازمی نتائج کو بھی تسلیم کرتا ہے۔ ملکیت چوری، ڈاکہ، لوٹ مار وغیرہ سے تحفظ بھی دیتا ہے۔ اس تحفظ کی عملی ضمانت دست اندازی کی تمام صورتوں پر سخت سزائیں مقرر کر کے دیتا ہے۔ مثلاً چوری کی سخت سزا ”قطعید“ اس حق کے احترام اور اس پر دست درازی کی ممانعت کی کھلی دلیل ہے۔ بلاشبہ ایسی ملکیت جس سے اجتماعی مفاسد پھیل جائیں اسلامی ریاست مصالحہِ مرسلہ کے اصول کے تحت کچھ پابندیاں لگا سکتی ہے۔ لیکن اسے ابدی اصول کی حیثیت سے نافذ نہیں کیا جاسکتا۔

✓ آزادی اجتماع کا حق

اسلام نے آزادی اجتماع کا حق بھی انسان کو عطا کیا ہے۔ قرآن کریم کا بیان ہے:

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ

الْمُنْكَرِ (۶۵)

اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونا ضروری ہے جس کے لوگ خیر کی طرف بلایا کریں اور

نیک کام کے کرنے کو کہا کریں اور برے کاموں سے روکا کریں۔

آزادی اجتماع کے موضوع پر سید مودودیؒ لکھتے ہیں ”جب اختلاف آراء کو انسانی زندگی کی ایک اہل حقیقت کے طور پر قرآن نے بار بار پیش کیا ہے تو پھر یہ نہایت ممکن الامر ہے کہ ایک طرح کی رائے رکھنے والے لوگ آپس میں مربوط ہوں۔ (۶۶)

حق اجتماعیت کا سوال سب سے پہلے حضرت علیؑ کے سامنے خوارج کے ظہور پر پیش آیا اور انہوں نے ان کے لیے آزادی اجتماع کے حق کو تسلیم کر لیا۔ انہوں نے خارجیوں سے فرمایا: ”جب تک تم تلوار اٹھا کر زبردستی اپنا نظریہ دوسروں پر مسلط کرنے کی کوشش نہ کرو گے تمہیں پوری آزادی حاصل رہے گی“ (۶۷)۔

مذکورہ بالا بیان کردہ حقوق کے علاوہ اسلام نے کچھ اور حقوق سے بھی انسان کو روشناس کرایا ہے جن میں نیکی میں تعاون اور بدی میں عدم تعاون کا حق، تحفظ ناموس خواتین کا حق، عدل و انصاف اور ظالم کی اطاعت سے انکار کا حق، معصیت سے اجتناب کا حق اور سیاسی کارفرمائی میں شرکت کا حق وغیرہ بھی شامل ہیں۔

ریاست کے معاملات میں شرکت کا حق

اسلامی ریاست چونکہ شخصی، گروہی، خاندانی اور نسلی ریاست نہیں اور ہر مسلمان کو بحق نیابت الہی، امور مملکت میں شرکت کا پورا حق ہے۔ قرآن نے اس اصول کو واضح لفظوں میں بیان کیا ہے:

وَأْمُرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ (۶۸)

اور مسلمانوں کا کام آپس میں مشورے سے چلتا ہے
حضور اکرمؐ جو اسلامی ریاست کے پہلے سربراہ تھے انہیں حکم ہوتا ہے:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ۔ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ (۶۹)

۶۶۔	اسلامی ریاست ۵۶۸	۶۷۔	الکامل للمبرذباب الخوارج
۶۸۔	الشوری ۳۸	۶۹۔	آل عمران ۱۵۹

اے پیغمبرؐ ان سے معاملات میں مشورہ کر لیا کرو اور پھر جب ارادہ پختہ ہو جائے تو اللہ

پر بھروسہ کرو۔

حضور اکرمؐ کی وفات کے بعد شوریٰ کے اس مفہوم میں مندرجہ ذیل امور شامل ہیں:

(الف) ریاست کے امیر اور اس کے مشیر نمائندے لوگوں کی آزادانہ رائے سے منتخب ہوں۔

(ب) لوگوں کو اور ان کے نمائندوں کو تنقید اختلاف اور اظہار رائے کی آزادی ہو۔

(ج) عوام کو یہ حق حاصل ہو کہ جسے وہ چاہیں وہی ریاست کا انتظام کرے اور جسے وہ نہ

چاہیں اسے منصب ریاست سے ہٹایا جاسکے۔

جیسا کہ ہم نے آغاز میں ذکر کیا تھا کہ دنیا میں انسانی حقوق کا جو اعلان ہوا ہے اس

کے پیچھے کوئی سند نہیں ہے۔ اس کے برعکس اسلام کے تصور حقوق انسانی کو سند اور قوت نافذہ دونوں حاصل ہیں۔

حقوق کے ضمن میں ایک بلند معیار پیش کر دیا گیا اور یہ کوئی معاہدہ نہ تھا کہ ان حقوق کو

ساری قوموں سے منوایا جاسکے لیکن اسلام کے حلقہ میں داخل ہونے والا ہر فرد اللہ کی کتاب اور اس

کے رسول ﷺ کی ہدایت کا پابند ہے۔ اس لیے وہ لازماً مانے گا۔ اس اعتبار سے یہ حقوق

مسلمانوں کو بھی دیے جائیں گے اور دوسری اقوام کو بھی دوستوں کو بھی اور دشمنوں کو بھی۔ یہ بھی دین

اسلام کے رحمت ہونے کی ایک بہت بڑی دلیل ہے۔ انسانی حقوق کے ضمن میں بھی اسلام کا دین

العمل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اسلام واقعی زندگی کے جملہ پہلوؤں پر حاوی ہے اور یہی اسلام کی وہ

خصوصیت ہے جو اسے تمام ادیان اور نظامہائے فکر سے ممتاز کرتی ہے۔ خالق کائنات نے قول

صادق فرمایا جو قرآن حکیم میں محفوظ ہے اور محفوظ رہے گا۔

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ

دیننا (۷۰)

آج کے دن تمہارے دین کو میں نے کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تمام کر دیا اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لیے پسند کر لیا۔

یہ ایک مختصر سی فہرست ہے جس کے بارے میں قرآن و سنت کی واضح نصوص پیش کی گئی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات کے تنبع سے مزید تفصیلات مرتب کی جاسکتی ہیں۔ انسان کے بنیادی حقوق کے سلسلے میں غالباً اسلام کا نقطہ نظر زیادہ واضح اور تفصیلی ہے کیونکہ اسلام ہمیں بعض ایسے حقوق کی طرف بھی متوجہ کرتا ہے جن کا تصور بھی دور حاضر کا دماغ نہیں کر پا رہا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان حقوق کو ایک سند حاصل ہے۔ بقول سید مودودیؒ ”مسلمانوں کا معاملہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسولؐ کی ہدایت کے پابند ہیں“ (۷۱)۔ اسلام نے انسانی حقوق کے بارے میں بڑی جزئیات دی ہیں جو یقیناً اعلیٰ معیار کی دلیل ہیں۔ اسلام کے سیاسی نظام پر لکھنے والے مسلم مصنفین نے حقوق کی تفصیلی بحثیں کی ہیں۔ قدیم مآخذ اور جدید تصانیف میں ان تفصیلات کو دیکھا جاسکتا ہے۔ (۷۲)

۷۱۔ انسان کے بنیادی حقوق، ۲۸

۷۲۔ مواہات صلاح الدین کی کتاب ”بنیادی حقوق“ اس موضوع پر مفصل کتاب ہے جس میں عمدہ معلومات جمع کی گئی ہیں۔

کتاب حوالہ

- ۱۔ القرآن الکریم
- ۲۔ مودودی ابوالاعلیٰ اسلامی ریاست۔ لاہور
- ۳۔ جلالی عبدالدائم لغات القرآن
- ۴۔ خطیب التبریزی مشکاة المصابیح
- ۵۔ البخاری محمد بن اسماعیل۔ الادب المفرد
- ۶۔ ایضاً الجامع الصحیح۔ مصر
- ۷۔ ندوی سید سلیمان سیرۃ النبی لاہور
- ۸۔ ابن ہشام السیرۃ النبویہ۔ مصر
- ۹۔ ابوداؤد السنن، مصر
- ۱۰۔ مالک بن انس، الموطا، مصر
- ۱۱۔ الشوکانی محمد بن علی، نیل الاوطار، مصر
- ۱۲۔ ابویوسف، قاضی، کتاب الخراج، مصر
- ۱۳۔ Gails Ezejcofor, protection of human rights under Law , London 1964
- ۱۴۔ Gough, J.W, the social contract. clarendon press oxford 1967
- ۱۵۔ Henry marsh, document of liberty david and charts, new town abbot, England 1971
- ۱۶۔ L.Aski, H. Grammar of politics, London
- ۱۷۔ K. A. Hakim, Fundamental human rights, Lahore